صریر خامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 04, Issue 04 (October-December 2025)

علمِ فرائض کی فضیلت اور السراجی کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

The Virtue of the Science of Inheritance and a Critical-Analytical Study of al-Sirājiyyah

Dr. Hafiz Khalil Ahmad Qadri
PhD in Islamic Studies, College of Shariah & Islamic Sciences, Minhaj University, Lahore, Islamic Scholar and Educator, Teaching Dars-e-Niẓāmī syllabus at Jamia Hajveria since 1998
Email: drkhalilahmadqadri@gmail.com

Abstract:

This study explores the religious, juristic, historical, and analytical dimensions of the Islamic law of inheritance (ʿIlm al-Farāʾiḍ) with special focus on the classical text al-Sirājiyyah, its author Imām Sirāj al-Dīn al-Sajāwandī, and the extensive commentarial tradition that evolved around it. The paper begins by outlining the exceptional virtue, epistemic status, and scriptural foundations of the science of inheritance as articulated in the Qur'an, Hadith, and early juristic discourse, demonstrating why the Companions and early scholars regarded it as "half of knowledge." It then examines the life, intellectual milieu, and works of al-Sajāwandī, tracing the historical ambiguities regarding his dates, scholarly affiliations, and geographical attributions. A detailed analytical overview of al-Sirājiyyah follows, including its structure, methodology, sources, and influence, alongside a critical appraisal of its numerous commentaries, translations, and global print history. The study also identifies key textual issues, methodological inconsistencies, and interpretive inaccuracies found in selective commentaries, especially regarding technical terms, numerical classifications, inheritance scenarios, and manuscript variants. Moreover, the paper contrasts the Islamic law of inheritance with socialist and capitalist economic models, arguing that the Qur'anic framework provides a balanced, ethical, and socially just alternative grounded in equity, responsibility, and moral accountability. Through historical exposition, comparative analysis, and textual criticism, this research highlights al-Sirājiyyah as one of the most authoritative and pedagogically influential works in the discipline of farāʾiḍ. The study ultimately affirms that the preservation, accurate teaching, and critical editing of this classical heritage remain essential for contemporary legal scholarship and the broader Islamic intellectual tradition.

Keywords: *Islamic Inheritance Law; ʿIlm al-Farāʾiḍ; al-Sirājiyyah; Sajāwandī; Classical Fiqh; Textual Criticism*

تمہید

اسلامی علوم میں علمِ فرائض کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ قرآنِ مجید نے وراثت کے مسائل کو صراحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور انہیں "حدودُ اللہ" قرار دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم محض قانونی ضابطہ نہیں بلکہ ایک مکمل اخلاقی و سماجی نظام ہے۔ عہدِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ سے اس علم کو وہی درجہ حاصل رہا جو انسانی معاشرت کی منصفانہ تشکیل کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی پس منظر میں برصغیر، خراسان اور عالمِ اسلام کے علمی مراکز میں علمِ فرائض کی تدریس اور تدوین کا ایک وسیع و عریض سلسلہ قائم ہوا، جس کی نمایاں ترین علمی یادگار "السراجی" ہے، جو صدیوں سے مدارس کے نصاب اور فقہی وراثت کا بنیادی متن سمجھی جاتی ہے۔ علمِ فرائض میں السراجی کی قبولِ عام اس بات کی شاہد ہے کہ یہ متن نہ صرف فقہی اصولوں کا جامع خلاصہ ہے بلکہ طرزِ استدلال، ترتیبِ ابواب اور عملی مثالوں کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے۔ اس کے باوجود مصنفِ سراجی، امام سراج الدین سجاوندی کی تاریخِ ولادت و وفات، ان کی علمی نسبت، اور کتاب کے بعض مباحث سے متعلق کئی غلط فہمیاں، اختلافات اور استشراقی اعتراضات پائے جاتے ہیں۔ یہی امر اس تحقیقی مطالعے کی بنیادی وجہ بنا۔

اس تحقیق کے بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ:

(1) علمِ فرائض کی فضیلت اور قرآن و حدیث میں اس کے مقام کو واضح کیا جائے،

(2) مصنفِ سراجی کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کا تحقیقی جائزہ لیا جائے،

(3) السراجی کی شرحوں، حواشی اور مختلف مطبوعات کا ناقدانہ مطالعہ پیش کیا جائے،

(4) بعض شارحین کے تسامحات اور اختلافی مباحث کو علمی طور پر واضح کیا جائے،

(5) اور اسلامی قانونِ میراث کا اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ تقابلی جائزہ فراہم کیا جائے۔

اس تحقیق کے بنیادی سوالات درج ذیل ہیں:

- علمِ فرائض کو اسلامی شریعت میں غیر معمولی اہمیت کیوں دی گئی؟
- السراجی کی موضوعیت، فقہی حیثیت اور علمی مقام کیا ہے؟
- مصنفِ سراجی کی زندگی اور نسبت سے متعلق تاریخی اختلافات کا صحیح موقف کیا ہے؟
- السراجی کی شروحات میں کون سے علمی تسامحات پائے جاتے ہیں؟
- اور کیا اسلامی نظامِ وراثت جدید معاشی نظریات کے مقابلے میں ایک بہتر، منصفانہ اور متوازن ماڈل فراہم کرتا ہے؟

یہ تمہید پورے مقالے کے فکری پس منظر، تحقیقی ضرورت اور علمی سمت کو واضح کرتی ہے اور قارئین کے لیے مضمون کے مکمل محور کی راہ ہموار کرتی ہے۔

تعارف

اسلامی شریعت نے انسانی معاشرت کی تعمیر میں جن اصولوں کو بنیادی اہمیت دی ہے، ان میں *علمِ فرائض* کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ قرآنِ مجید نے وراثت کے احکام کو نہایت وضاحت اور قطعیت کے ساتھ بیان کیا اور ان کی پیروی کو "حدودُ اللہ" قرار دیا، جو اس علم کی شرعی حساسیت اور اجتماعی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ عہدِ رسالت ؐ اور خلافتِ راشدہ سے لے کر ائمہ مجتہدین کے ادوار تک علمِ میراث کو فقہی علوم میں نمایاں حیثیت دی گئی؛ حتیٰ کہ اسے "نصف العلم" کہا گیا اور صحابہ کرامؓ میں متعدد حضرات اس فن کے امام و مرجع سمجھے جاتے تھے۔ اسی علمی روایت میں امام سراج الدین سجاوندی کی تصنیف *السراجی* کو ایک غیر معمولی مقام حاصل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف فقہِ حنفی میں وراثتی احکام کی جامع تعبیر ہے بلکہ اس کی ترتیب، مثالوں کے انتخاب اور اصولی گہرائی نے اسے صدیوں تک اسلامی دنیا میں تدریسِ فرائض کا معیاری متن بنائے رکھا۔ اس پر لکھی جانے والی متعدد شروح و حواشی، اس کی مسلسل اشاعتیں، اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اس کی علمی مقبولیت کے مضبوط دلائل ہیں۔ تاہم مصنفِ سراجی کے حالاتِ زندگی، کتاب کے بعض ابواب، اور مختلف شارحین کی تعبیرات میں متعدد اختلافات اور تسامحات ایسے پہلو ہیں جن کا ناقدانہ جائزہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کے معاشی نظام—اشتراکیت، سرمایہ دارانہ فکر، اور جدید مالیاتی ڈھانچوں—کے تناظر میں اسلامی قانونِ وراثت کے اصولوں کا تقابلی مطالعہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مقالہ انہی تمام جہات کا ہمہ جہتی جائزہ پیش کرتا ہے، تاکہ علمِ فرائض کی اصل روح، السراجی کی علمی قدر، اور اسلامی وراثتی نظام کی ہمہ گیر افادیت کو واضح کیا جاسکے۔ چونکہ سراجی علم المیراث کی کتاب ہے اسلئے اولاً ہم اسکی فضیلت کی وجوہ بیان کرتے ہیں بعد ازاں صاحب سراجی کے حالات پر روشنی ڈالیں گے۔

فضیلت نمبر1:

علم فرائض کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قرآن نے اس کے مسائل کو صراحت کے ساتھ مستقل بیان کیا یہی وجہ ہے کہ احکام شرعیہ بعض قرآن وحدیث سے ثابت اور مضبوط ہوتے ہیں بعض قیاس و اجتہاد سے لیکن علم میراث کا ماخذ فقط تین چیزیں ہیں۔ (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ (3) اجماع امت

اس کا ماخذ اشیاء ثلاثہ کو قرار دیا اس کے باوجود کہ اس کے ماخذ قلیل ہیں لیکن پھر بھی اس کو نصف علم قرار دیا کہ جس قدر دیگر علوم پر محنت کرنی پڑتی ہے اس قدر تنہا اس پر اس لئے بعض نکتہ دان حضرات نے فرمایا کہ ثواب اس میں چونکہ کثیر ہے یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا فرائض کا ایک مسئلہ بتانے پر دوسری قسم کے سو(100) مسائل کے برابر ثواب ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس علم کی طرف خصوصی توجہ دلائی صحابہ کرام میں علم میراث کے عالم کبیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے اور خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس فن میں خاص امتیاز اور ید طولیٰ رکھتے تھے عول کا ضروری اور فائدہ مند قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز فرمایا اور تمام صحابہ کرام کے اجماع سے منظور ہوا۔

فضیلت نمبر2:

اس علم کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ بقیہ مسائل و اعتقادات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ[1]

ترجمہ: کہ ہم نے قرآن مجید آپ کی طرف جتنا بھی نازل کیا آپ اس کو لوگوں کیلئے سب بیان کر دیں۔ لیکن علم المیراث کو یہ تفرد حاصل ہے کہ اس کی تمام کلیات و جزئیات کو اللہ تعالیٰ بیان کر کے فرمایا یہ حدود الٰہی ہیں جو ان کی اطاعت کرے گا اس کے لئے دائمی جنت اور جو ان کی نافرمانی کرے گا اس کے لئے عذاب مھین ہو گا۔

فضیلت نمبر3:

سنن دارمی کی روایت میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: کہ اے لوگو علم فرائض کو ایسی توجہ اور محنت سے سیکھو جس طرح قرآن مجید سیکھتے ہو اور مفتی اعظم مدینہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو قرآن کا علم حاصل کرے اس کو علم فرائض بھی سیکھنا ضروری ہے اس سے وہ حضرات نصیحت حاصل کریں جو قرآن تو حفظ کرتے قرأۃ بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن اس علم تک نہیں پہنچتے۔ نیز وہ حضرات بھی سبق حاصل کریں جو اس کو اختیاری سمجھ کر فقط چند دن پڑھتے ہیں اس کی تمارین اور مشقوں اور عول کی مباحث سے دور رہتے ہیں اور صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تو بہت سخت وعید بھی فرمائی آپ فرماتے ہیں جو شخص قرآن سیکھے اور علم فرائض نہ سیکھے اس کی مثال بے چہرہ کے سر کی ہے یعنی علم فرائض کے حاصل کرنے کے بغیر علم بے رونق اور بے کار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے احناف نے گیارہویں صدی تک تقریباً ستر مستقل کتب اس فن میں تحریر فرمائی جن میں تقریباً چالیس کے قریب اصل ہیں اور 24 شروح اور پانچ چھ کم و بیش حواشی ان شروح و حواشی میں دو تین کے علاوہ باقی سب سراجی کی شروح ہیں گیارہویں صدی کے بعد ازاں حسب حیثیت زمانہ بہت ساری کتب مختلف لسانیات فارسی اردو پنجابی میں کتب لکھی گئیں اور آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے علوم شرعیہ میں سے جس علم کے مفقود و معدوم ہونے کی پیشین گوئی اور خبر غیب دی ہے وہ یہی علم فرائض ہی ہے۔

فضیلت نمبر4:

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان عالیشان ہے۔ جس کو مسائل حج، مسائل طلاق اور مسائل فرائض نہیں آتے تو اس کو اعرابی (دیہاتی) ان پڑھ پر کس چیز میں فضیلت حاصل ہے۔

فضیلت نمبر5:

اس علم کی عظیم فضیلت کے سبب جن ریاستوں میں اسلامی لاء کا نفاذ ہوتا ہے عہد اسلامی میں قاضی اور جسٹس کی تقرری اور ان میں امتحان کی کامیابی اس علم پر موقوف تھی جیسا کہ ہارون الرشید کے سنہری دور حکومت میں قاضی القضاۃ (جسٹس) امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا۔

فضیلت نمبر6:

عصر حاضر میں علم فرائض کیساتھ مدارس میں ناروا سلوک کیا جارہا ہے کہ ہر فن کی منتہی کتب سے قبل مساوی اور متوسط کتب ضرور ہیں مثلاً علم صرف کی منتہی کتاب مراح الارواح سے قبل میزان الصرف، صرف میر، علم الصیغہ، صرف بھتر ال کو پڑھایا جاتا ہے۔ علم نحو میں شرح جامی سے قبل نحو میر، ہدایۃ النحو، شرح مائۃ عامل، کافیہ اور علم منطق میں قطبی سے قبل تعلیم المنطق، مجموعہ منطق، مرقاۃ، شرح تہذیب علی ھذا القیاس لیکن افسوس کہ سراجی میں تدریج نہیں ہے اور یہی حال ہم کتب تاریخ کیساتھ کر رہے ہیں کہ درس نظامی میں تاریخ الخلفاء کے علاوہ مقدمہ ابن خلدون، البدایہ والنہایہ، طبری وغیرہ میں سے کوئی کتاب بھی داخل نصاب نہیں ہے۔ جب طلباء ایم فل PHD کیلئے یونیورسٹیز میں جاتے ہیں تو ان

کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے تمام اسلامک بورڈز موجودہ میں جدید عصری تقاضوں کے مطابق اور اپنے محبوب کے توسل سے نصاب کو بہتر بنائے جو جدید وقدیم تقاضوں کے مطابق ہو۔

سوانح عمری صاحب سراجی

مصنف کا شجرہ نسب

امام بخاری و امام شافعی کی طرح آپ کا اصل نام محمد اور والد کا نام بھی محمد ہے۔ کنیت ابو طاہر لقب سراج الدین جس سبب کتاب کو سراجی کہا جاتا ہے۔ دادا کا نام عبد الرشید آپ مفسر فقیہہ ریاضی دان تھے آپ کی نسبت سجاوندی ہے مسلکا آپ حنفی ہیں۔ آپ کو سجاوندی کیوں کہا جاتا ہے صاحب بہار عجم رقمطراز ہیں(2)۔ اس کے متعلق کل تین اقوال ہیں۔

(1) پہلا قول یہ ہے کہ سیوطی نسبت کی طرح یہ سجاوند حدود کابل میں ایک قصبہ کا نام ہے، جس طرح سیوط مصر میں ایک قصبہ کا نام ہے اس مناسبت سے سجاوندی کہا جاتا ہے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ سجاوند خراسان کی حدود میں ایک مقام کا نام ہے، ہو سکتا ہے آپ نے وہاں طالب علمی دور گزارا یا وہاں مقیم ہوں تصنیفی یا تدریسی زندگی گزاری ہو یا اپنی اسی بستی میں ہی رہے ہوں۔

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ سجاوندی کا لفظ معرب ہے یعنی غیر عربی سے عربی میں منتقل کیا گیا جس طرح جیلانی کا لفظ گیلانی کا معرب ہے سجاوندی در اصل سقاوندی تھا جو مستیان میں ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں زیادہ کتے اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے اس کا نام سگاوند رکھا گیا ہے اور صاحب لغات فارسی(3) نے لکھا سگ وندان(ف) کاٹنے یا چیر نے پھاڑنے کے دانت جیسے سانپ اور درندوں کے ہوتے ہیں۔ اور سگزستیان کے ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں رستم پیدا ہوا اس لئے اسے رستم سگزی بھی کہتے ہیں۔

(4) چوتھا قول یہ ہے کہ بعض علماء سجاوندی کی نسبت غزنوی ذکر کی ہے۔ اس سے اتنا اندازہ ہو جاتا ہے کہ غزنی کے مضافات میں ہی کہیں سجاوند ہے عصر حاضر کے جدید آلات برقیہ وغیرہ کے استعمال سے معلوم ہوا ہے کہ ایران کی ایک چھوٹی بستی کا نام سجاوند ہے۔ جس کی آبادی سو کے لگ بھگ گھروں پر مشتمل ہے اگر اس چوتھے قول کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے ایک وہم کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ شہرہ آفاق شخصیت ہونے کے باوجود بلدان کے تذکرے میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموماً کتب تاریخ و بلدان اتنی چھوٹی بستیوں کا احاطہ نہیں کر سکتیں البتہ اگر کوئی تاریخی شخصیت ہو یا اس علاقے کی فوجی چھاؤنی ہو تو اس کو تذکروں میں ذکر کیا جاتا ہے یا پھر صاحب مراح الارواح کی طرح گمنامی کو پسند فرماتے تھے۔

تاریخ وفات میں مختلف اقوال میں محاکمہ اور راجح قول کا بیان

پہلا قول

مشہور مستشرق ایڈورڈ کرنیلیوس ونیڈک کی تحقیق ہے کہ آپ ساتویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں چنانچہ اس مستشرق کی مشہور کتاب اکتفاء القنوع بما هو مطبوع ہے اس کی عبارت یوں رقمطراز ہے(4)۔

السراجية سراج الدين محمد السجاوندی نبغ به قرن السابع تقريبا

ترجمہ: صاحب سراجی سراج الدین محمد سجاوندی تقریباً ساتویں صدی میں ظاہر ہوئے۔

تردید: یہ قول درست نہیں ہے۔ **پہلی وجہ** تو یہ ہے کہ فاسق کے مقابلے میں مؤمن کے قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ صاحب کشف الظنون سراجی کی شروحات کے سلسلہ میں رقمطراز میں ہیں[5] کہ سراجی کی ایک شرح علامہ ابوالحسن حیدرہ بن عمر الصنعانی نے لکھی ہے جن کا انتقال 358ھ میں ہوا لہذا شرح متن کی ہوا کرتی ہے پہلے متن پھر شرح ہوتی ہے لہذا کافیہ پہلے شرح جامی لامحالہ بعد میں لکھی گئی لہذا اگر ہم ماتن کو ساتویں صدی میں شامل کریں تو شرح کا 358ھ میں لکھا جانا محال ہے۔ **تیسری وجہ** خود حنفی امام شمس الائمہ سرخسی نے بھی اس کی شرح لکھی ہے جن کا سن وفات 490ھ ہے۔ یہ وجہ بھی مستشرق کے قول کی تردید کر رہی ہے لہذا شرح سراجی لکھنے والے اردو شارح جمالی کا مقدمہ میں 700ھ کا قول بھی درست نہ ہوگا عبدالحی لکھنوی نے فوائد بہیہ فی تراجم الحنفیہ میں بھی اس بارے میں سکوت اختیار کیا۔ البتہ کشف الظنون کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ 1100ھ کے قبل سراجی کی شروح و حواشی چالیس سے زائد تھیں جبکہ چار اجل علماء نے سراجی کو منظوم بھی بنالیا تھا۔

دوسرا قول

راجح قول کے مطابق آپ کی وفات تقریباً 600 ہجری میں ہوئی ہے۔ یہ قول راجح اس وجہ سے بھی ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے ہدیۃ العارفین[6] میں صراحت کی ہے کہ مصنف 600ھ 1203 عیسوی کے آس پاس فوت ہوئے۔ مشہور مقولہ بھی ہے خیر الامور او ساطہا تمام کاموں میں بہترین درمیانہ کام ہوتا ہے۔

مصنف سراجی کی تصنیفی خدمات

یوں تو مصنف نے کئی کتب لکھیں، کچھ منظر عام پر آئیں اور کچھ نامعلوم شہرہ آفاق نہ ہو سکیں، حضرت فیض عالم حضرت علی بن عثمان ہجویری جیسی ہستی فرماتے ہیں کہ میں نے کئی کتب تصنیف کیں لیکن میرے دور کے کئی لوگوں نے ان کو چوری کرکے اوپر اپنا نام لکھ لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اپنی کتاب پر اپنا نام ضرور لکھنا چاہئے آپ فرماتے ہیں اس کی دو وجوہ ہوتی ہیں[7]

(1) خواص کیلئے		(2) عوام کیلئے		عوام سے متعلق تو یہ ہے کہ جب علم طریقت (یا کوئی بھی فن کی کتاب ہو) سے ناواقف لوگ کوئی ایسی کتاب دیکھتے ہیں جس میں مصنف نے متعدد مقامات پر اپنے نام کا حوالہ نہ دیا ہو تو وہ اسے اپنے نام سے منسوب کر لیتے ہیں۔ اس سے مصنف کا مقصد فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مصنف کا مقصد دنیا میں اپنے نام کو زندہ رکھنا اور لوگوں کی نیک دعاؤں کا حصول ہوتا ہے اور خواص سے متعلق یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کسی کتاب کا مؤلف متعلقہ فن اور علم کا محقق عالم ہے تو وہ اس کے حقوق کی پوری طرح رعایت کرتے ہیں اور اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے میں مکمل جدوجہد کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ مصنف اور قاری دونوں کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے زندگی میں اس کا دو مرتبہ تجربہ ہوا۔

(1) اشعار کا دیوان کسی نے لے کر اوپر اپنا نام لکھ لیا ہو۔

(2) تصوف وطریقت کے موضوع پر منہاج العابدین نامی کتاب مجھ سے لے جا کر اس کے اوپر مدعی تصوف نے اپنا نام لکھ لیا۔ عصر حاضر میں کئی حضرات حالات و بائیوگرافی کو کسی کے کبر پر محمول کرتے ہیں حالانکہ آج کل مصنف و مترجم و شارح کے حالات لکھنا لازمی ہے کیونکہ یونیورسٹیز میں جب کوئی اس موضوع پر ایم فل PHD وغیرہ کرتا ہے اسے دشواری ہوتی ہے خاص کر پشاوری، سواتی، کوہاٹی

کتب اعلیٰ ہونے کے باوجود ان پر کام کرنے والے کو یونیورسٹیز میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لہذا اخلاص کو تاریخ کا حصہ بھی بنانا چاہئے اس لئے اکابر کی تمام کتب کا تعین دشوار ہے تاہم جو ہمیں ناقص تحقیق سے حاصل ہوئیں وہ یہ ہیں۔

1. مصنف نے شرح السراجیہ کے نام سے علامہ زرکلی کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کی شرح لکھی جو زیور طباعت سے بھی آراستہ ہوئی۔
2. ذخائر شار فی اخبار السید المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کتاب سے مصنف کا سنی ہونا واضح ہوتا ہے۔کیونکہ علامہ آلوسی نے قد جاء کم من اللہ نور کی تفسیریوں کی ہے۔هو نور الانوار و النبی المختار کہ وہ نبی ہیں جو نوروں کا نور اور مختار کل ہیں ہے۔(8)
3. عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی
4. تجنیس فی الحساب
5. انسان عین المعانی
6. رسالۃ فی الجبر والمقابلۃ
7. الوقف والابتداء(9)

آپ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ آپ کی کتب کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے مثلاً ذخائر شار فی اخبار السید المختار کا ترجمہ ترکی اور فارسی زبان میں ہو چکا ہے اور کتاب الفرائض السراجیہ کا انگریزی میں ترجمہ ولیم جونز نے 1792ء میں برطانوی ہند کی عدالتوں میں بعد کے استعمال کیلئے کیا تھا۔

موضوع کتاب سراجی کیا ہے؟

یوں تو بلاریب یہ عام سی بات تھی کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے لیکن اس کو بھی مستشرقین نے متنازع بنا دیا اس لئے ہمیں احقاق حق کیلئے اس پر تحقیق کرنا پڑی کتاب سراجی کا موضوع علم المیراث / علم المواریث / علم الفرائض ہے چنانچہ شارح سراجی قبلہ الاستاذی المکرم مفتی یار محمد قادری دامت برکاتہم مشکوۃ الحواشی فی شرح السراجی میں رقمطراز ہیں(10)۔

لما رأیت رسالة السراجي اللتی فی علم الفرائض للعالم العلامة الشیخ سراج الدین الحنفی تغمده الله برحمته و رضوانه سکنه فسبح حبنانه لم یأت احد بمثالها و لا تسبح ناسبح علی منوالها فهي من اعظم الکتب في هذا الفن نفعاً و اکثر ها جمعا و اطیبها نقیما و توزیعاً۔

ترجمہ: جس وقت میں نے سراجی رسالہ کو دیکھا جو کہ علم الفرائض میں لکھا گیا ہے اس کے مصنف عالم باعمل علامہ شیخ سراج الدین حنفی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ڈھانپ لے اپنی رحمت اور خوشنودی کے ساتھ اور ان کو جنت کے کشادہ باغ میں ٹھہرائے، کسی ایک نے سراجی کی مثل نہ لائی اور نہ ہی کسی بنانے والے نے اس طرز پر بنایا، اس فن فرائض میں نفع کے اعتبار سے سب سے بڑی کتاب اور جامع ہونے کے اعتبار سے بھی غالب ترین ہے اور تقسیم و اشاعت کے اعتبار سے بھی عمدہ ترین ہے۔لہذا اس کی شرح لکھنے کی ضرورت پڑی۔معلوم ہوا کہ اس کتاب کا موضوع علم میراث ہے۔مزید بر آں یوسف الیان سرکیس نے اور حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبد اللہ نے کہا۔

السراجيه او الفرائض السراجية فرائض المذاهب الأربعة فى احكام الارث[11] ترجمہ: یعنی

ان کی کتاب کا نام سراجیہ / فرائض سراجیہ ہے جو مذاہب الاربعہ کے علم میراث کے اصولوں کو حاوی ہے جبکہ مشہور مستشرق(Edword Cornelius Vandyck)ایڈورڈ کرنیلیوس وینڈک رقمطراز ہیں۔[12]

و هي في الفرائض اى في الفقه الحنفى کہ سراجی فرائض یعنی فقہ حنفی میں لکھی گئی ہے۔ یہ نظریہ فقط مصنف کا نام علامہ سجاوندی حنفی دیکھ کر قائم کیا گیا۔

مستشرق کا جواب اور محاکمہ

یوسف سرکیس کی رائے قدرے صحیح معلوم ہوتی ہے جبکہ مستشرق کا قول درست معلوم نہیں ہوتا مستشرقین کا اعتراض قرآن، حدیث ، تصوف، سیرۃ جس پر بھی ہوتا ہے ان کا منہج اسلوب معروف ہے وہ صرف کسی ایک نکتہ کو سامنے رکھ کر اپنی مرضی کے نتائج کا استنباط کرتے ہیں ہمارے پاس اس کے کئی جوابات ہیں۔

پہلا جواب

تو یہ ہے کہ خود مستشرقین کی آراء میں تعارض ہے اور مشہور ضابطہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا کہ جب دو باتوں میں تعارض آجائے تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں ان میں کوئی ایک بھی معمول بہ نہیں رہتی وہ تعارض ملاحظہ کریں نیز یہ ذہن میں رکھیں کہ سراجی جب مخطوطات کی دنیا سے نکل کر مطبوعات کی دنیا میں داخل ہوئی تو اسے ایک تحقیق کے مطابق 1206ھ میں بمطابق 1793ء کو اسے کلکتہ سے شائع کیا گیا تھا اور اس اشاعت کی بنیاد سر ولیم جونز نامی مستشرق نے 1784ء میں جمیعہ آسیویہ کے نام سے رکھی تھی اس کتاب کا نام اس نے السراجیہ لکھا اس پر اس مستشرق نے تبصرہ بھی کیا نیز جس طرح کتاب کا انگریزی ٹائٹل تیار کیا گیا ہے۔ اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی بات

یہ معلوم ہوتی ہے کہ سر ولیم جونز کے سامنے یہ بات واضح ہے کہ السراجیہ نامی یہ کتاب صرف فقہ حنفی کے مطابق علم میراث پر مرتب کی گئی ہے یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کتاب کا نام رکھنے کے بعد ان الفاظ کا اضافہ قرینہ ہے۔

Or The Mohammedn Law of Inheritance

(محمدی قانون وراثت)

دوسری بات

جو انتہائی افسوسناک ہے مستشرقانہ ذہن یہاں بھی اتنی فطری ساخت اور طبعی اٹھان سے مجبور ہے کہ وحی کی رہنمائی میں کامل و مکمل ہونے والے اسلام جیسے دین الہٰی کو محمد ازم یا محمدی قانون وراثت کہنا اس کے سوا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ خود انہیں ایک حقیقت سے محرومی کا احساس کھائے جاتا ہے اور وہ حقیقت آسمانی وحی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اول الذکر مستشرق کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سراجی فقط فقہ حنفی میں لکھی گئی جبکہ ثانی الذکر سر ولیم جونز کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے اصول میراث پر حاوی ہے دونوں عبارتوں میں تعارض کی وجہ سے کوئی ایک بھی ضابطہ کے مطابق معمول بہ نہیں رہے گی۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں بھی مستشرق نے کتاب کے مصنف علامہ سراج الدین کا حنفی ہونا دیکھ کر یہ رائے قائم کرلی ہے کہ یہ کتاب فقط فقہ حنفی کے علم الفرائض کو بیان کرتی ہے حالانکہ اولا تو ائمہ اربعہ کے درمیان علم میراث میں کوئی تفصیلی اختلافات ہے ہی نہیں اور چند محدود مقامات اختلافیہ ہیں جن کی مصنف نے خود صراحت کردی ہے۔

(1) باب ذوی الارحام میں ہے وقال زيد بن ثابت رضى الله عنہ لا ميراث لذوى الارحام ويوضع المال في بيت المال و به قال مالك والشافعي رضى الله عنہ

(2) فصل في الحمل اكثر مدة العمل سنتان عند ابي حنيفة و عندليث ابن سعد ثلث سنين و عند الشافعي اربع سنين و عند الزهرى سبع سنين

(3) فصل في المرتد و ما اكتسبه في حال ردته يوضع في بيت المال عند ابي حنيفة و عندهما الكسبان جميعا لو رثته السلمين وعند الشافعي الكسبان جميعا يوضعان في بيت المال

(4) باب مقاسمة الجد قال زيد بن ثابت رضى الله عنہ يرثون مع الجد وهوقولهما قول مالك والشافعي و عند زيد بن ثابت للجد مع بنى الاعيان

(5) باب الرد قال زيد بن ثابت رضى الله عنہ لايرد الفاضل بل هولبيت المال و به اخذ مالک والشافعى

یہ چند مقامات اختلافیہ تھے جن کو مصنف نے صراحتا بیان کردیا۔القليل كالمعدوم کے ضابطہ کے تحت اختلاف واعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ سراجی کا باب مقاسمۃ الجد موجود ہے صحیح تحقیق کے مطابق اس کے قائل وفاعل صرف مالکیہ اور شافعیہ ہیں مفتی بہ روایت کے مطابق حنفیہ اس کے قائل نہیں لہذا مستشرقین بالخصوص مذکور مستشرق کا اعتراض درست نہ ہوگا یہ بحث فقط مستشرق کیلئے تھی ورنہ قارئین کو تو اس کی ضرورت نہیں عیاں راچہ بیاں۔ تاہم طلباء کو استشراق کے نظریہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے لیکن افسوس ہے کہ یہ مضمون آج کل مدارس اسلامیہ میں تاریخ کے مضمون کی طرح نہیں پڑھایا جاتا۔ کاش موجودہ بورڈز اس کمی کو پورا کردیں۔ درس نظامی میں تاریخ اور استشراق کو داخل نصاب کرلیں تو یونیورسٹیز کے میدان میں ایم فل وPHD کرنے اور میں مزید آسانی ہوجائے۔

سراجی کی اشاعت کہاں کہاں سے کب ہوئی؟

ہم ان شاء اللہ بالترتیب سراجی کے نسخہ کے اشاعتی مراحل کو واضح کرتے ہیں کیونکہ کسی کتاب کا بار بار اپنوں (مسلمانوں) اور غیروں کا بار بار اشاعت کرنا اس کتاب کی مقبولیت بین الانام ہونے کی واضح دلیل ہوتی ہے۔

(1) کلکتہ سے سب سے پہلے سراجی مستشرق سر ولیم جونز نے 1206ھ میں شائع کی۔

(2) بعد ازاں لندن سے 1213ھ میں 224 صفحات کے ساتھ شائع کی گئی۔

(3) پھر کلکتہ سے 1265ھ میں شائع کی گئی۔

(4) پھر کلکتہ سے 1285ھ میں سید انور علی کی شرح بنام ضیاء السراج 70 صفحات کے ساتھ شائع کی گئی۔

(5)بعد ازاں بولاق کی مصری طبع 1303ھ میں شائع کی گئی۔

(6)پھر قازان سے 1305ھ میں میر سید شریف کی شرح السراجیہ کے ساتھ 224 صفحات پر مشتمل شائع کی گئی، جو آجکل میر محمد کتاب خانہ کراچی سے شریفیہ شرح سراجیہ کے نام سے چھپ رہی ہے۔

(7)پھر کان پور سے 1311ھ میں اشاعت دومیر، سید شریف جرجانی، سید انور علی کی ضیاء السراج شرح کیساتھ 73 صفحات کے ساتھ شائع کی گئی۔

(8)پھر قازان سے 1319ھ میں اشاعت دوم شریفیہ حاشیہ سراجیہ 242 صفحات کے ساتھ شائع کی گئی۔

(9)پھر 1330ھ میں طبع جمالیہ 30 صفحات کے ساتھ شائع کی گئی۔

(10)آج کل مدارس دینیہ کے طلباء کے ہاں جو نسخہ متداول ہے وہ علامہ نظام الدین کیرانوی کا نسخہ بنام السراجی فی المیراث ہے جس کے اوپر حاشیہ مسمی بہ دلیل الوراث 1352 میں چھپا جبکہ اس حاشیہ کی تکمیل محرم 1322ھ میں ہوئی تھی۔(تلك عشرة كاملة) یہ مذکورہ تفصیل یوسف سرکیس نے معجم المطبوعات میں ذکر کی ہے۔

شائقین علم میراث میں قارئین کی دلچسپی بڑھانے کیلئے امام رازی کی تین نایاب میراثی (فرائضی) پہیلیوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی میراثی پہیلی

ایک مرد 24 دینار چھوڑ کر مرا، اور پیچھے اس نے چار قسم کے وارث چھوڑے ہیں۔ بتائیں کس صورت میں ہر ایک کو ایک + ایک دینار آئے گا؟

الجواب

اس کی صورت یہ ہے کہ متوفی کی تین بیویاں اور چار جدہ اور سولہ لڑکیاں اور ایک بہن مادری وپدری رہ گئی ہیں۔ ازواج کو آٹھواں حصہ ملا، جو تین تین دینار ہیں، لہذا ہر زوجہ کو ایک ایک دینار آیا، لڑکیوں کو دو دو تہائیاں ملیں، وہ سولہ دینار ہیں، ہر ایک کو ایک ایک دینار آیا، جدات کو چھٹا حصہ ملا وہ چار دینار ہیں۔ ہر ایک کو ایک ایک دینار آیا باقی ایک دینار بچا وہ بہن کو مل گیا۔(وللہ الدر علی ذلك)

دوسری پہیلی

سوال دوم: ایک شخص بیس دینار اور بیس درہم چھوڑ کر مرا، اور آٹھ وارث جن میں سے چار بیویوں کو فقط ایک دینار اور ایک درہم ملے اس کی صورت بتائیں۔

الجواب

اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص چار بیویاں اور دو مساوی بہنیں اور دو پدری بہنیں چھوڑ گیا ہے۔ بیویوں کو چوتھائی دو مادی بہنوں کو ایک ثلث اور دو پدری بہنوں کو دو ثلث ملیں گے لیکن وہ عدد جس کیلئے ربع اور ثلث اور ثلثان ہوتے ہیں وہ بارہ ہے۔ اور پندرہ پر عول کرتا ہے لہذا ازواج کو پندرہ پانچواں حصہ ملے گا اور جو چار دینار اور چار درہم میں ہر بیوی کو ایک دینار اور ایک درہم مل جائے گا۔

تیسری پہیلی

سوال سوم: ایک شخص ایک بیوی اور سات سالے چھوڑ کر مرا۔ ایسی کونسی صورت ہو سکتی ہے جس میں بیوی اور سالوں کے درمیان مال میراث برابر تقسیم ہو اس کی صورت بتائیں؟

الجواب

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ متوفی نے جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اس عورت کی ماں کیساتھ متوفی کے لڑکے نے نکاح کر لیا۔ جس سے اس کے سات لڑکے پیدا ہوئے پھر لڑکا مر گیا اور وہ سات لڑکے جو متوفی کے پوتے ہیں۔ اس کے سالے بھی ہوئے اور اس کی عورت کے بھائی بھی ہوئے۔ لہٰذا ان سب میں میراث برابر برابر تقسیم ہوگی۔

چونکہ عصر حاضر میں علمی مذاکرات ہوتے ہیں۔ نیز آقا علیہ الصلوۃ والسلام بھی علم بڑھانے کیلئے صحابہ کرام سے سوال کیا کرتے تھے جیسے کتب احادیث میں وارد ہے کہ آپ نے پوچھا اے صحابہ یہ بتاؤ وہ کونسا درخت ہے جس کے موسم گرما/ سرما میں پتے نہیں جھڑتے پھر خود فرمایا وہ کھجور کا پودا ہے ایک صحابی بولے مجھے معلوم تھا لیکن بڑے صحابہ کے ادب میں میں نے خاموشی اختیار کی فرمایا تم بتاتے تو میں تمہیں اتنا اتنا انعام دیتا معلوم ہوا علمی مذاکرہ بھی سنت اور طلبا کی حوصلہ افزائی کیلئے انعام دینا بھی سنت ہے۔(13)

سوشل ازم، سرمایہ دارانہ نظام، علم فرائض کا تجزیاتی پہلو

اولین دونوں نظاموں میں ہزار ہاں خرابیاں اور قبائح موجود ہیں جبکہ فرائض یعنی قانون اور وراثت میں حسن ہی حسن اور فوائد ہی فوائد ہیں کیونکہ اولین دونوں نظاموں میں کئی مقامات پر اللہ اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے واضح ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔(14)

ترجمہ: اہل ایمان اللہ اور اس کے حکم سے آگے ہرگز نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام سے قول و فعل میں آگے مت بڑھو۔ اسلامی قانون وراثت سرمایہ داری کا قلع قمع کرتا ہے انسان کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو مرنے کے بعد اس کی جائیداد کو اس کے ورثاء میں قرآنی تقسیم کے مطابق بانٹ دیا جائے گا۔ وارثوں میں اس کے فرزند بیٹی، بیوی کلھم شامل ہیں۔ چنانچہ اس طرح ہر فرد مستفید ہو جاتا ہے اعتراض کچھ حضرات للذ کر مثل حظ الانثيين پر اعتراض کرتے ہیں کہ لڑکوں کو لڑکیوں سے دگنا حصہ کیوں ملتا ہے۔ حالانکہ آج کی لڑکی اس نے کل ماں بننا ہوتا ہے۔ جواب حالانکہ اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض بھی رفع ہوتا ہے کیونکہ شادی کے وقت لڑکوں کو حق مہر ادا کرنا پڑتا ہے یوں جب لڑکیوں کو حق مہر ملتا ہے تو مساوات قائم ہو جاتی ہے۔ نیز عورت ساری زندگی گھر کی چاردیواری میں رہتی ہے جبکہ مرد ساری زندگی دن رات نان و نفقہ اور دیگر اشیاء زندگی کی فراہمی میں مگن رہتا ہے۔ اسلامی قانون تمام قوانین پر برتری کا حامل ہے بعض عقل سے بیگانوں اور ناواقفوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام محض الٹی سیدھی وقت بے وقت نماز پڑھ لینا اور چند عقائد ماننے کے ساتھ سال میں ایک ماہ کے روزے رکھ لینا اسی کا نام ہے۔ جیسا کہ چیئرمین مسٹر بھٹو کہتا تھا کہ اسلام ہمارا، دین ،جمہوریت، ہماری سیاست اور سوشلزم، ہماری معیشت ہے۔ ان لوگوں نے جب اسلام کو مکمل ضابطہ حیات جان و دل سے تسلیم نہیں کیا پھر ان کو مجبوراً روس، چین، اسرائیل اور دیگر یورپی ممالک کے دروازوں پر جھکنا پڑ رہا ہے تمام قارئین بخوبی اس بات سے آگاہ ہیں کہ عصر حاضر کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کیلئے جو نظام پیش کئے گئے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔ (1)سوشل ازم (2)سرمایہ دارانہ نظام (3) اسلامی

لاء

تجارتی نظام ثلاثہ میں ہر ایک کا مطمع نظر بنظر غائر دیکھا جائے تو الگ الگ معلوم ہوتا ہے پہلے دونوں نظاموں کا تعلق مادہ پرست لوگوں کے مطمع نظر سے ہے۔ان کا مطمع نظر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کیا جائے۔عام ازوہ حائل حلال ہو یا حرام وہ بیع وشراء میں کسی قید و بند کے پابند نہیں وہ طبقہ ہر ایسے طریقہ کو جائز سمجھتا ہے جس کے سبب زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کیا جائے۔

اسی کے متعلق آج سے صدیوں قبل آقائے رحمت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمادیا تھا کہ میری امت پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ پیٹ بھرنے اور مال اکٹھا کرنے کو ترجیح دیں گے۔ان میں حلال و تمام کی تمیز نہ رہے گی۔(اللهم اكفنى بحلالك عن حرامك واغننى بفضلك عمن سواك)اس کے برعکس آخر الذکر اسلامیہ لاء کا مطمع نظر اخروی فوز و فلاح ہے۔اسلام نے انسان کی بقاء اور خوشحالی طلب رزق حلال کو فریضہ قرار دیاطلب الحلال فريضة بعد فریضہ اسلام نے اگرچہ لا رهبانية فى الاسلام کہہ کر رہبانیت کی مذمت کی ہے۔دوسری طرف رزق حلال کو فضل رب(وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ)([15]) کہہ کر قرار دیا لیکن دوسری طرف اسلام نے طلب معیشت میں انسان کو رزق کے ذرائع اور وسائل حاصل کرنے کی اجازت کیساتھ ساتھ آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ اسلامی تجارت، شرکت، مضاربت، صنعت، حرفت اور رینٹ اور لیبر کے حقوق و آداب متعین کئے مزید برآں زکوۃ و صدقات اور عشر و خیرات کا اعلیٰ منتظم نظام قائم کیا ہے۔اسلام نہ تو نظام سرمایہ داری کی طرح جبر واستبداد کا نام ہے کہ جس میں صرف جاگیر دار اور مالداروں کی رعایت کی جائے اور غرباء و اجراء کے حقوق اور ان کی ضروریات کو پس پشت ڈالا جائے۔اور اسلام نہ تو سوشل ازم کی طرح ہے کہ اس میں اشتراکیت کا ظلم اور جور ہے جس میں فرد کی ملکیت کو بزور چھین کر پارٹی کی تحویل میں دے دیا جائے بلکہ اسلام نےاعطو الا جير اجره قبل ان يجف عرقه کہہ کر نظام مساوات کا باہمی اشارہ دے دیا کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے مزدوری دے دو،یعنی استحصال نہ کرو اس کی محنت کا صلہ بروقت دو اور ساتھ ہی اشارہ دیا کہ اجیر یعنی مزدور بھی اپنے مالک کی حق تلفی سارے دن کا اکثر حصہ چائے نوشی اور سگریٹ نوشی میں نہ گزار دے بلکہ آٹھ یا بارہ گھنٹے کام اس قدر محنت سے کرے کہ اس کا جسم شرابور ہو اس سے پسینہ چھلکتا نظر آئے۔اسلام نے مزدور اور مالدار کا امتیاز (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ)([16]) کہہ کر مٹا دیا۔ایک مزدور اگر تقویٰ میں بلند درجہ کا مالک ہے تو دنیا کا قارون ثانی بھی امامت کا حقدار قرار نہیں پاسکتا ہاں امر کی تعمیل اور منکرات سے اجتناب ضرور ایک شخص کو زیادہ اور ایک کو کم قابل تعظیم قرار دیتا ہے لیکن رزق وبرق، لباس، خدام کی کثرت، غلاموں کی بہتات، دولت کی فراوانی وجہ امتیاز نہیں بنتی۔

تاریخ اسلام جلیل القدر مسلمانوں اور علمبرداران اسلام کی زندگیوں کے عملی ثبوت سے بھری پڑی ہے جس کی مثال سوشل ازم اور سرمایہ دارانہ نظام پیش کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ عاطفت میں جن صحابہ کرام نے پرورش پائی اور دنیائے علم و عمل میں آفتاب و ماہتاب ہو کر چمکے۔چنانچہ حضرت سیدنا ابوزر غفاری، حضرت بلال بن رباح حبشی، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنھم ان جلیل القدر ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے ابتدائے اسلام میں خوب مشقتوں کا سامنا کیا، پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوزر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس دو چادریں آتی ہیں ایک خود استعمال کرکے دوسری چادر اپنے غلام کو عطا کرتے ہیں لوگوں نے کہا جو غلام کو دی ہے وہ واپس لے کر اپنا جوڑا مکمل کرلیں لیکن آپ نے جواب دیا میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔کیونکہ میں نے ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کالی ماں کا بیٹا کہا تو انہوں نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا تھاانك امرء فيك الجاهلية کہ ابوذر تم میں ابھی تک زمانہ جاہلیت کی عادت موجود ہے۔آپ ذرا غور کریں کہ جہاں خادموں، غلاموں کو برا بھلا کہنا جاہلیت کی علامت قرار دیا گیا ہو وہاں امتیازی سلوک کئے جانے کا کیسا سوچا جا سکتا ہے یوں ہی شہنشاہ ولایت حضرت داماد رسول مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دو قمیصیں خرید فرمائیں۔غلام ساتھ تھا

فرمایا ان دو میں سے تمہیں جو بھی پسند ہو اپنے لئے منتخب کر لو اپنے غلام کی پسند کے بعد غلام کی متر د قمیص پہنی حضرت سیدنا فاروق اعظم رات کے وقت نماز پڑھتے وضو کا پانی خود بھرتے کہا جاتا غلاموں میں سے کسی کو اٹھا لیتے آپ فرماتے رات ان کے آرام کیلئے ہے میری خدمت کیلئے نہیں ہے۔

سوشل ازم اور سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اور اسلام کی اصولی مساوات کے فوائد

اب ہم نظام ہائے معاش سے سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام کا اسلام کے اقتصادی نظام سے تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں تاکہ امت مسلمہ اور قارئین پر بخوبی واضح ہو جائے کہ انسانیت کی فوز و فلاح فقط اسلام کے دامن کرم سے وابستہ ہے۔ سوشل ازم یعنی اشتراکی نظام کی بنیاد پارٹی کے نفع پر منحصر ہے۔ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد افراد کے ذاتی نفع پر موقوف ہے۔ سوشلسٹ معیشت میں پیداواری ذرائع اور وسائل پر مشتمل تمام املاک کو بزور چھین لیا جاتا ہے۔

پہلی خرابی

اور واضح ہے کہ یہ چیز تہذیب اور اخلاق دونوں کے خلاف ہے۔ اسلام نے کسی جائز شخصی ملکیت کو بزور چھین لینے کو ظلم قرار دیکر شدت سے منع کیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے معمولی زمین بھی ظلماً اس کے گلے میں بروز قیامت سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔(17) اور دوسری بخاری کی روایت یوں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان رسالت یوں نقل کیا ہے کہ بروز قیامت جس شخص نے بھی معمولی زمین ظلماً اس کو زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا۔(18)

دوسری خرابی

اس سرمایہ دارانہ نظام کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں رسد اور طلب پر اعتماد کیا جاتا ہے جس کے سبب اشیاء زندگی بالخصوص خورد ونوش کی قیمتوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور جس چیز کی قیمت ایک دفعہ بڑھ جاتی ہے وہ الا ماشاء اللہ کبھی نیچے آنے کا نام نہیں لیتی بلکہ اس میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ رسد کا مطلب ہے کہ صنعت کار تاجر اپنے مال تجارت کو یا صنعت کار اپنی مصنوعات کو بازار میں فروخت کیلئے لائے اور طلب کا مطلب ہے کہ خریداروں میں ضرورت پیدا کر کے انہیں خریداری کیلئے بازاروں میں لایا جائے اور ماہر اقتصادیات کا اصول یہ ہے کہ رسد جب طلب سے زیادہ ہو گی تو بازار وغیرہ میں قیمتیں گر جائیں گی اور جب طلب رسد سے بڑھ جائے گی تو قیمتیں چڑھ جائیں گی۔ اس نظام کا نقصان یہ ہو گا سرمایہ داری بڑھانے کیلئے ملاوٹ کرنا اور جعلی اشیاء بنانا بھی ایک قوم کا وطیرہ بن جائے گا اور ملاوٹ اور نقلی میڈیسن کے نتیجہ میں کتنے لوگوں کی صحت تباہ کر کتنے لوگ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو صرف دل چسپی اپنے بینک بیلنس میں اضافہ سے ہوتی ہے۔

یوں ہی اس نظام کو جز و لا ینفک اسمگلنگ بھی فروغ کیلئے ایک اہم جزو ہے۔ یہ لوگ کسٹم ڈیوٹی ادا کئے بغیر غیر قانونی راستوں سے اشیاء ملک میں لے آتے ہیں۔ اسمگلر اس سلسلے میں رشوت سے کام لیتے ہیں اور اگر رشوت سے کام نہ چل سکے تو رکاوٹ بننے والے قومی محافظوں کو شوٹ کر دیتے ہیں۔ یہ اسلام کے قانون من غش فلیس منا (کہ جس نے ملاوٹ کی وہ طریقہ محمدی پر نہیں ہے) کے خلاف ہے۔

تیسری خرابی

نظام سرمایہ کاری سے اور دیگر تمام نظاموں کے ذریعے سود کو پروان چڑھایا جاتا ہے تاجر اور صنعت کار اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر بینکوں سے سود پر بڑی بڑی رقوم حاصل کرتے ہیں اس لئے بینک تاجروں اور صنعت کاروں سے کہتا ہے کہ یا تو حق مضاربت دو، ورنہ تمہارے حوض

پر چودہ فی صد مارک اپ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بینک ان کے قرض میں چودہ فی صد اضافہ کر دیتا ہے اور یوں بلا سود بینکاری کے نام سے بینک عوام کے روپیہ پر چودہ فیصد وصول کرتا ہے اور 6 تا 8 فیصد عوام کو دے دیتا ہے۔ اور سود کے نام کو پرافٹ (نفع) کے نام سے تعبیر کر کے ھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کے بر عکس واحد اسلام کا نظام ہے جس نے سودی کاروبار سے روکا اور اس پر وعیدات سنائی یہاں تک ابن ماجہ میں روایت ملتی ہے کہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سود کی برائی کے ستر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ کی برائی ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کیساتھ نکاح کرے۔ (19)

اور بعض روایات میں سود کھانے والے سود کھلانے والے سودی معاملے کو لکھنے والے اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرما کر گناہ میں سب کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برابر قرار دیا ہے۔ (20)

چوتھی خرابی

نظام سرمایہ داری کی نشو ونما میں چوتھا بڑا عنصر ذخیرہ اندوزی بھی ہے کیونکہ سرمایہ دار کاروبار کے فطری اور معقول طریقوں کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مفاد کیلئے ایسے انوکھے طریقے اختیار کرتے ہیں جن سے مصنوعی طریقوں سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ امیر لوگوں امیری کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ اشیاء کو خرید کر اپنے گودام بھر لیتے ہیں۔

بالآخر بازار میں ان کی رسد کم اور طلب بڑھ جاتی ہے اور امیر لوگ مصنوعی گرانی پیدا کر کے خوب دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں اس کے بر عکس صرف اسلام ہی واحد مذہب ہے جس نے امیروں کو احتکار سے لعنت کی وعید سنا کر روکا ہے چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "المحتكر ملعون" کہ احتکار کرنے والا لعنتی ہے۔ (21)

پانچویں خرابی

اس سرمایہ دارانہ نظام کا پانچواں عنصر سٹے کا بڑا دخل ہے۔ جس کا مطلب ہے فریقین صرف کاغذ پر خرید و فروخت کرتے ہیں مال کسی کے پاس نہیں ہوتا سینکڑوں آدمی محض اپنے بینک بیلنس اور ٹیلی فون کے ذریعے مال بیچتے اور خریدتے ہیں جبکہ اس مال کو پیدا کرنے لانے یا اس کو کارآمد بنانے کیلئے انہوں نے کام نہیں کیا ہوتا جس کی وجہ سے وہ اس مال کے جائز حقدار ہوں۔ صرف مذہب اسلام کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے سٹے کے کاروبار سے ممانعت کی۔ چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ۔ (22)

نهانی رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ان ابيع ماليس عندي

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس چیز کے بیچنے سے منع کیا ہے۔ جو میرے پاس موجود نہ ہو۔

چھٹی خرابی

بقیہ نظام میں امیر لوگ صرف مال کو جمع کرتے ہیں اور اس کو ضرورت مندوں اور غریبوں پر خرچ نہیں کرتے جبکہ اسلام کے نظام کی یہ خوبی ہے کہ مال صرف چند لوگوں کی تجوریوں میں بند نہ رہے بلکہ ضرورت مندوں اور تنگدستوں پر خرچ کیا جائے جس طرح قرآن نے زکوۃ کے مصارف فقیر مسکین وغیرہما کو قرار دے کر زکوۃ نہ دینے والوں کو وعید سنائی کہ قیامت والے دن آگ میں ان کی پیشانیوں کو ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ تمہارا وہ مال ہے جس کو تم نے اپنی ذات کیلئے جمع کیا تھا اب اس کا ذائقہ چکھو جس کو جمع کرتے تھے (23) سے ہویا اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ کھانے پینے سر چھپانے تن ڈھانپنے اور دیگر ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد جو مال تمہارے پاس بچ جائے اس میں

اپنے بیوی بچوں رشتہ داروں، ہمسایوں ناداروں اور ملک وملت کے عام رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ کرنے کے حقوق ہیں اور یہی اسلام کا مطالبہ ہے اس کے برعکس اسلام نے عورتوں کے حقوق اور طلاق میں اور ہر چیز میں مساوات کا خیال رکھا ہے۔

اسلامی مساوات جائیداد میں عورتوں کے حقوق اور طلاق اور یورپی ممالک کی آزادی

اسلام اور یورپی ممالک پر جب ہم طائرانہ نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں مغربی ممالک میں مساوات ناپید معلوم ہوتی ہے وہاں کوئی تو اتنا مالدار ہے کہ وہ اپنی دولت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا اور کوئی اتنا غریب سے غریب تر ہے کہ وہ دووقت کی روٹی کو بھی ترس رہا ہے عربی شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه — وجاهل جاهل تلقاه مرزوقا
هذا الذي ترك الأوهام هائرة — وصير العالم التحریرزندیقا

ترجمہ: بہت سارے کامل العقل جن کو طرق معاش نے عاجز کر دیا اور بہت سارے کٹر جاہل ہیں جن کو تو نعمت میں لت پت پائے گا۔

1. یہی وہ چیز ہے جس نے عقل والوں کو حیران کر دیا اور ماہر مضبوط عالم کو زندیق بنا دیا ان یورپی ممالک کے برعکس اسلام محض مساوات کا ذکر ہی نہیں کرتا بلکہ عملی جامہ بھی پہناتا ہے اور اس کے لئے قوانین مساوات مرتب بھی کرتا ہے مثلاً نماز میں مسجد کے اندر امیر، غریب، اعلی، ادنی، سفید وسیاہ مسجد میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔
2. غرباء کے مالی فائدے کیلئے متمول اشخاص سے زکوۃ لی جاتی ہے۔ بانی اسلام نے فرمایا کہ امیر اپنی زکوۃ نکال کر غریبوں تک پہنچائیں لہذا ہر خوشحال شخص کو اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے جو غرباء کیلئے گداگری کے سدباب کا ذریعہ بنتا ہے۔
3. بانی اسلام کو ایک عورت کے چوری کرنے پر اسامہ بن زید نے فاطمہ نامی عورت کی سفارش کی تو آپ نے فرمایا: اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ یوں ارشاد فرمایا: اے لوگوں تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے بخدا اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔(24)
4. اسلام کے اصول مساوات کی جھلکی جنگ بدر میں فدیہ کے موقعہ پر بھی نظر آتی ہے جنگ بدر میں جو کفار قید ہو کر آئے تھے ان کو چار چار درہم فدیہ کے عوض آزاد کیا جارہا تھا۔ ان جنگی قیدیوں میں جاتے جاتے حضور کے چچا حضرت عباس بھی آگئے اس قرابت کے پیش نظر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکا فدیہ معاف کر دینے کی درخواست کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر رسول اسلام نے فرمایا تھا۔(25)لا واللہ لا تذرون منه در هما ترجمہ: آپ نے فرمایا: نہیں قسم بخدا فدیہ سے ایک درہم بھی کم مت کرو۔
5. ایک موقعہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دائیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سامنے اور دیہاتی دائیں طرف تھا اور آپ نے اصول مساوات الایمن فالا یمن بیان کیا تھا۔ آپ نے حضرت عمر کی سفارش کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بجائے دیہاتی کو دیکر فرمایا چونکہ یہ دائیں جانب ہے اور یہی سنت ہے حضرت یار غار کی خدمات کثیرہ کے باوجود دودھ کا مشروب اصول کے تحفظ کیلئے بدوی کو عطا فرمایا۔(26)

جنگ بدر میں سواریوں کا انتظام بھی کم تھا تین تین آدمیوں کیلئے ایک اونٹ تھا لوگ باری باری اتار چڑھاؤ کرتے تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کیساتھ شریک تھے صحابہ کرام جانثارانہ پیش کش کرتے اور عرض کرتے۔ یارسول اللہ آپ سوار رہیں آپ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے۔ فرمایا نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوا۔

یوں ہی اسلام نے عورتوں کے حقوق میں بھی مساوات قائم رکھی ہے۔

(1)مستورات جائیداد پر قابض ہو سکتی ہیں۔　(2) عورت کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی　(3)ناموافق حالات میں خاوند سے علیحدگی کا حق خلع کی صورت میں حاصل ہے۔

(4)اعلان طلاق کے بعد تین حیض کی عدت ہو گی۔

اگر تعلقات اس درمیان استوار کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں جبکہ مغربی ممالک میں باہم رضامندی سے طلاق نہیں ہوتی بلکہ یہ ضروری ہے کہ مرد سے طلاق لینے کیلئے عورت مرد کی حرام کاری اور ظلم کا ثبوت دے یوں ہی عیسائی اور ہندو مذہب میں بھی طلاق کا تصور نہیں۔ اسلام ہی واحد مذہب جس کے قوانین میں دونوں جہانوں کی کامیابی مضمر ہے۔

شروحات وحواشی السراجی

اسماء الشروح والحواشی	اسماء الشارحین والمحشین
1. السراجي في الميراث مع اردو حواشی	محقق العصر استاذ الاساتذہ واستاذی المکرم شیخ الحدیث الحافظ القاضی عبد الرزاق بھترالوی حطاوری چشتی گولڑوی (مرحوم)
2. صدیق الحواشی	ادیب اہلسنت مصنف کتب کثیرہ علامہ شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی
3. رفیق الوراثت شرح سراجی	حضرت علامہ مولانا محمد شفیق الرحمن قادری رضوی
4. شریفیہ شرح سراجیہ	حضرت سید شریف علی بن محمد الجرجانی
5. مشکوۃ الحواشی فی شرح السراجی	حضرت علامہ مولانا مفتی یار محمد قادری دامت برکاتہ
6. شرح السراجی	شیخ اکمل الدین محمد بن محمود حنفی مصری
7. شرح السراجی	شیخ شہاب الدین احمد بن محمود السیواسی
8. المواهب الملکیۃ فی شرح فرائض السراجیہ	شیخ محمد بن احمد الدمشقی المعروف بابن الربوہ
9. شرح السراجی	شیخ محی الدین محمد بن مصطفی المعروف شیخ زادہ
10. شرح السراجی	شیخ مصلح الدین محمد بن صلاح الاری
11. شرح السراجی	شیخ برہان الدین حیدر بن محمد ہروی

12. شرح السراجی	شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ ہروی
13. شرح السراجی	شیخ شمس الدین محمد بن حمزہ فناوی
14. شرح السراجی	شیخ الفاضل البہشتی محمد
15. شرح السراجی	شیخ شمس الدین احمد بن سلیمان المعروف ابن کمال پاشا
16. شرح السراجی	شیخ امیر حسن الرومی
17. شرح السراجی	شیخ محی الدین محمد بن خطیب قاسم بن یعقوب
18. شرح السراجی	شیخ محی الدین العجمی
19. شرح السراجی	شیخ محمد شاہ بن علی فناوی
20. شرح السراجی	شیخ سید قوام الدین قاسم بن احمد جمالی
21. شرح السراجی	شیخ فضل بن علی جمالی
22. شرح السراجی	شیخ یعقوب بن علی سیدی
23. زبالۃ السراج علی رسالۃ السراج	شیخ محمد بن ابراہیم علی
24. ضیاء السراج	شیخ سید انور علی
25. دلیل الوراث	شیخ نظام الدین کیرانوی
26. آسان سراجی	مفتی احسن احمد عبد الشکور بہاولپوری
27. الہادي الحاصل السراجی	مفتی محمد سردارولی
28. تشریح السراجی	مولوی سید وقار علی
29. طرازی شرح سراجی	مولوی اشتیاق احمد بھنگوی
30. تسہیل السراجی	مفتی ابولبابہ شاہ منصور
31. سراجی کا آسان حل	مولوی افتخار احمد قاسمی بستوی
32. الشرح التاجي في حل السراجی	مفتی محمد فاروق خاصخیلی
33. کتاب الفرائض آسان سراجی	مفتی محمد اسامہ عظیم
34. معین السراجی	مفتی محمد الیاس
35. درس سراجی	مفتی محمد یوسف
36. سراجی کا آسان حل	مفتی عطاء الرحمن خان قاسمی

37. خلاصہ سراجی	محقق العصر مفسر قرآن حضرت علامہ الحافظ القاضی عبد الرزاق بھترالوی مطاوری چشتی گولڑوی
38. اعانۃ السراجی فی حل سوالات السراجي	مولوی نعمت اللہ ایوبی
39. المنحۃ الالہیۃ في السراجیہ	مولوی نصیب الرحمن
40. تفہیم السراجی	مولوی ابن رحیم محمد فہیم
41. تسہیل السراجی فی المیراث	مولوی محمد انور البدخشالی
42. توضیح السراجی فی شرح السراجی	مفتی ابو اسامہ غلام حسن
43. افضل السراجي في حل السراجی	مفتی محمد افضل اشاعتی
44. مشکوۃ السراج	مفتی محمد صابر علی
45. ضیاء السراج	مولوی محمد عبد الرحمن
46. شرح سراجی	مولوی محمد نجم الغنی
47. السراجی فی المیراث نوٹس	استاذ العلماء شیخ الحدیث و متخصص فی الفقہ مفتی محمد ہاشم نقشبندی
48. تلخیص الفرائض علی السراجی	مولوی محمد حسن
49. الاعوان الناحیۃ في شرح الفرائض السراجیہ	ابو میمون محمد محفوظ اعوان
50. مفیۃ السراجي في حل السراجی	مفتی محمد ابراہیم
51. سراجی کا حساب	مولوی محمد فاروق حسن زئی
52. سراج السراجی فی حل السراجی	ڈاکٹر وخادم الحدیث خلیل احمد القادری

تسامحات شروح سراجی

یوں تو آپ کو معلوم ہے کہ سراجی کثیر الشروح والحواشی ہے جو ایک تحقیق کے مطابق تقریباً کافیہ اور نحومیر کی طرح اس کی پچاس سے بھی زائد شروح وحواشی ہیں کلھم کا احاطہ اگرچہ ممکن ہے لیکن اس صورت میں ان تسامحات پر تبصرہ / تجزیہ کرنے سے حجم آرٹیکل بھی بڑھ جائے گا تاہم خیر الکلام ما قل ودل کے تحت چند شروحات کے تسامحات کی نشاندہی اس لئے کر رہے ہیں کہ المؤمن للمؤمن کا المرأۃ کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے آئینہ کی مانند ہے تاکہ آئندہ شروحات اغلاط کے بجائے صحیحات کے ساتھ چھپ سکیں۔

تسامحات کی نشاندہی دو طرح کی ہے۔　(1) مشترکہ　(2) انفرادی۔

پہلا تسامح

مشترکہ میں ہم فقہ مشہور الفاظ مثلا میت یاء کی شد کے ساتھ اور ترکہ را کے فتحہ کے ساتھ یہ دونوں الفاظ عوام وخواص کی زبان پر مطالعہ، مناظرہ، سیدی مرشدی، سیدی میں یاء کے فتحہ کے ساتھ اور مطالعہ، مناظرہ میں عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ یوں ہی مرشدی میں شین کے فتحہ کے ساتھ اور یوں ہی الشھادۃ العالمیہ العالمیہ میں لام کے فتحہ کے ساتھ اب آپ نے دیکھا ہو گا اکثر شروحات وحواشی سراجی میں میت کا لفظ یاء کی شد کے ساتھ لکھا ہوتا ہے جو کہ غلط ہے۔ درست لفظ یاء کے سکون کیساتھ ہے۔ باریک بینی سے دیکھا جائے تو میت یاء کی شد کیساتھ ہو اور کسرہ کیساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے وہ شخص جو مرنے والا ہو لیکن فی الحال اس میں روح موجود ہو اور میت یاء کے سکون کیساتھ مردے کو کہا جاتا ہے جس کی روح نکل گئی ہو۔ صاحب معجم الوسیط نے اس فرق کو واضح کیا ہے۔(27)

المیت(بسکون الیاء) الذي فارق الحیاۃ وجمعه اموات کما في قوله تعالی او من کان میتا فأحییناه والمیت۔ (با التشدید و کسر الیاء) من فی حکم المیت ولیس به و جمعه اموات و موتی کما في قوله تعالی انك میت و انھم میتون۔ **ترجمہ:** میت (ی) کے سکون سے جس کا معنی ہے ایسا شخص جو زندگی سے جدا ہو چکا ہو(مردہ) اس کی جمع اموات اس کا استعمال قرآن مجید میں یوں ہوا۔ او من کان میتا فأحییناه(28) **ترجمہ:** (وہ شخص جو پہلے مردہ دل تھا پھر ہم نے اسے ایمان کیساتھ زندہ کیا) اور میت (ی کی شد اور زیر کیساتھ) اس سے مراد وہ ہے جو میت کے حکم میں ہو در حقیقت مردہ نہ ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ(29) بے شک آپ کو (ذائقہ چکھنے کی حد تک) موت آنی ہے اور وہ بھی (دائمی عذاب کیلئے) مرنے والے ہیں۔ صاحب لسان العرب نے بھی مذکورہ فرق کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

المیّت الذی مات والمائت الذی:لم یمت بعد میّت وہ ہے جو مکمل مر چکا اور میّت اور مائت وہ ہے کہ ابھی وہ مرا نہیں اور لسان العرب نے ایک مقام پر ساتھ ہی فرمایا۔ لما سمعوت عنقریب وہ مرنے والا ہے اس طرح فرماتے ہیں سو کر بیدار ہونے پر جو دعا پڑھی جاتی ہے۔ الحمد لله الذي احیانا بعد ما اما تنا والیه النشور . ترجمہ: تمام تعریفیں اس ذات کیلئے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف قیامت کے دن دوبارہ جانا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ سمی النوم موتا لانه یزول معه العقل والحرکة تمثیلا و تشبیھا لا تحقیقا **ترجمہ:** فرماتے ہیں اس حدیث میں نیند کو (اماتنا) موت کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ بوقت نیند بندہ کی عقل اور حرکۃ ختم ہوتی ہے مکمل بندہ نہیں مرتا اس لئے اس حدیث میں نیند پر موت کا اطلاق بطور مثال و تشبیہ کیا گیا۔ حقیقتا اطلاق نیند بر موت نہیں ہوا۔(30) شاعر نے بھی کیا خوب تعبیر فرمائی ہے۔

و تسألسنی تفسیر میّت و میّت فدونك ذا التفسیر ان کنت تعقل
فمن ذا کان روح فذالك میّت وما المیّت الامن الی القبر یحمل

ترجمہ: تو مجھ سے میّت اور میّت کی وضاحت پوچھتا ہے اگر تو عقل مند ہے تو اس کی وضاحت لے لے۔ پس جس کے اندر روح موجود ہو گی وہ میّت (باتشدید) کہلائے گا اور میّت وہی ہو گا جس کو قبر کی طرف اٹھالیا گیا ہو۔

عقلی دلیل: اگر مقتضی عقلی دیکھیں تو عقلی اعتبار سے بھی میّت کے لفظ پر غور کیا تو اس کی یاء مشدد اور متحرک ہے یعنی وہ انسان جس میں زندگی موجود ہے اور وہ مختلف اعمال میں مشغول ہے حرکت موجود ہے اور لفظ میّت کی یاء ساکنہ ہے۔ یعنی وہ انسان جس کی روح نکل گئی اور جسم بغیر

حرکت کے موجود ہے۔اس فرق کے بعد ہمیں صورت مسئلہ سے قبل میّت لکھنا اور بولنا چاہئے اور اس غلطی پر تعجب نہیں کرنا چاہئے چونکہ ہم عجمی ہیں اور کئی الفاظ خواص کی زبان پر بھی جاری رہتے ہیں۔ مثلا معصوم عن الخطاء حالانکہ عصمت کا صلہ عن کے بجائے من آتا ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے اللہ یعصمك من الناس، چنانچہ دکتور محمد عدنانی رقم طراز ہیں۔(31)

ترجمہ: عام لوگ عن کیساتھ یوں کہتے ہیں فلان معصوم عن الخطاء کہ فلاں خطاء سے معصوم ہے جبکہ درست لفظ من کیساتھ یوں ہے فلان معصوم من الخطاء اور ہم یوں بھی محاورۃ بولتے ہیں عصم اور فلاناً من الخطاء کہ اللہ تعالیٰ فلاں کی خطاء سے حفاظت فرمائے۔ یعنی اس کو محفوظ فرمائے اور بچائے اور اسے اس سے روکے۔

ویقولون فلان معصوم عن الخطاء الصواب معصوم من الخطاء و نقول عصم الله فلانا من الخطاء ای حفظه و وقاه و منعه جاء في الآية 17 من سورة الاحزاب قُل مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءا

ترجمہ: آپ فرمادیجئے اگر اللہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے۔اس طرح لفظ جمہور / جمہوریت جیم کے فتحہ کیساتھ پورے پاکستان میں غلط العوام والخصوص ہے چنانچہ کہا جاتا ہے خداداجمہوریہ اسلامیہ پاکستان، جبکہ درست لفظ جیم کی پیش کیساتھ یوں ہی کفارہ خاء کی شد کیساتھ، ہدیہ یاء کی شد کیساتھ لیکن اس کو بھی عوام و خواص مخفف پڑھتے ہیں۔ یوں ہی شرح السراجی میں لفظ ترکہ کو بھی غلط لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

دوسرا تسامح

ترکہ را کی زبر کیساتھ غلط جبکہ سکون اور کسر کیساتھ درست ہے میر سید شریف جرجانی رقمطراز ہیں۔(32) ترکہ لغۃ کہا جاتا ہے۔ ما یترکه الشخص و یبقیہ۔ جو انسان مرنے کے بعد پیچھے چھوڑ دے یا اس کا مال باقی رہ جائے۔ اور اصطلاح میں ترکہ سے مراد ہے۔التركة ما ترك الانسان صافيا خاليا عن حق الغير **ترجمہ:** ترکہ یہاں بمعنی اسم مفعول متروکہ ہے یعنی مردے کا وہ مال و جائیداد جو غیر کے حق سے خالی اور فارغ ہو یعنی مردہ شرعی طور پر اس کا مالک بنا تھا خواہ وہ کسی بھی چیز کا ہو۔

شروح سراجی کے انفرادی تسامحات

پہلا تسامح

شارح سراجی مفتی احسن احمد عبد الشکور بہاولپوری نے شرح بنام آسان سراجی میں ص46 پر مدبر غلام کی تعریف بالکل وہ کردی جو فقہاء مکاتب غلام کی کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔(مطبوعہ مکتبۃ الحرمین اردو بازار غربی سٹریٹ لاہور)

مدبر: وہ غلام جسے آقا کہے کہ اتنے پیسے اگر تم ادا کردو تو تم آزاد ہو جاؤ گے اس شخص کی غلامی کامل نہیں رہتی۔ اس لئے اب آقا اس کو آگے فروخت نہیں کرسکتا۔ یہ تعریف شارح نے بالکل کلیۃ غلط کی ہے۔ اصل تعریف وہ ہے جو ہمارے احناف نے کی ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی شارح نیز اشیخ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی رقمطراز ہیں۔(33)

المدبر،المعتق عن دبر:ای بعد الموت و دبر الشئی مؤخره و قبله مقدمه والمدبر المطلق هو الذى قيل له انت حر بعد موتى او اذا مت فانت حر،والمدبر المقيد هو الذى قيل له ان مت من مرض كذا او فى طريق كذا فانت حر۔

ترجمہ: جس کو موت کے بعد آزاد کیا جائے وہ مدبر ہے اور اہل عرب د بر الشئی پچھلی جانب والی اور قبلہ اگلی والی جانب کیلئے لفظ بولتے ہیں۔ مدبر کی دو میں ہیں۔ (1) مدبر مطلق (2) مدبر مقید مدبر مطلق یہ ہے کہ غلام کو کہا جائے کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا جس وقت میں مروں گا تو آزاد ہو گا۔ اور مدبر مقید وہ غلام جس کو آقا کی طرف سے کہا جائے اگر میں بیماری میں یا اس وقت یا اس راستے میں گیا تو، تو آزاد ہے۔ شارح مذکور کی تعریف مکاتب غلام کی ہے جبکہ عنوان مدبر کا قائم کیا ہے۔ لہذا تصریحات احناف کے بالکل برعکس تعریف غیر معتبر ہو گی۔

دوسرا تسامح

شارح مذکور ہی نے جس طرح تعریف مدبر میں غلطی کا ارتکاب کیا۔ اس طرح مسئلہ منبریہ میں ستائیس کے بجائے اٹھائیس ذکر کر دیا ہے[34] کے جبکہ امام المحققین المدققین علامہ میر سید جرجانی نے واضح ستائیس ذکر کیا اور محقق العصر استاذی المکرم نے واضح ستائیس کو ذکر کیا چنانچہ پہلے متن سراجی ملاحظہ کریں۔

واما اربعة وعشرون فأنها تعول الی سبعة و عشرين عولا واحدا. کہ 24 کا عول ستائیس کی طرف لوٹ کر ایک عول بنے گا۔

میر سید شریف جرجانی صاحب کے شریفیہ شرح سراجیہ میں صراحتہ کی ہے۔[35] ولا يزاد عول اربعة وعشرين على هذا العدد الذي هو سبعة وعشرون

ترجمہ: اور 24 کا عول اس عدد پر نہیں بڑھایا جائے گا جو کہ ستائیس ہی ہے۔

قبلہ محقق علامہ عبد الرزاق بھترالوی حطاوری علیہ الرحمہ نے واضح فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی ہے۔[36]

حاشیہ نمبر 1 میں فرماتے ہیں چوبیس کا عول ستائیس تک ایک ہی عول ہو گا یعنی چوبیس کو عول سے پچیس یا چھبیس نہیں بنایا جائے گا بلکہ فقط ستائیس بنایا جائے گا۔ اربعة و عشرون میں اس کا ثمن جمع کرنے سے سبعة و عشرون ہو گا۔ 24+3=27 (ص(32) مطبوعہ امام احمد رضا راولپنڈی)۔ جب شارح مذکور نے واضح عربی اردو، اکابر کی تصریحات کے خلاف روش چلی ہے۔ لہذا ایسی تشریح تحریف کے قائم مقام ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

تیسرا تسامح

شارح سراجی مفتی محمد ابراہیم نام شرح (منیۃ الزاجی فی حل السراجی) (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان) ص 23 پر سب متون سراجی کی مخالفت کرتے ہوئے لما ذ کرنا کو بدل کر کما ذکرنا لکھ دیتے ہیں۔ بظاہر عوامی اعتبار سے تو لام اور کاف میں فرق نہیں کیا جاتا لیکن علماء نحو اور علماء بلاغت کے نزدیک فرق یوں کیا جاتا ہے کہ لام علت کو ظاہر کرتا ہے اسی مکتب فکر کے مولوی محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں۔[37]

کہ لام کو بھی مدعی کی عقلی دلیل ذکر کرنے کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی کتاب و سنت اور معقول کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور اس سے دلیل انی کے بعد دلیل لمی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور مزید کتب نحو سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جمال الدین ابن ہشام انصاری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ لام جارہ بائیس معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک لام، لام تعلیل بھی ہے۔ جو علت کو ظاہر کرتا ہے قرآنی مثال پیش کرتے ہیں۔[38] کقولہ تعالیٰ و انه لحب الخير الشديد[39]

ترجمہ: وہ مال کی محبت میں ضرور بہت سخت ہے۔　　ای وانہ من اجل حب المال بخیل: انسان مال کی محبت کی وجہ سے کنجوس ہے۔

اور کماذ کرنا۔ اگر ہو تو اس صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ مذکورہ بات ایسے ہے جیسے ہم نے پہلے ذکر کر دی ہے اب کاف محض تشبیہ کیلئے ہے یہ مطلب سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے لہٰذا من کو مشہور نخوں اور قدیم نسخوں کے مطابق کرنا چاہئے میری شریف جرجانی صاحب کی عبادت میں صراحت بھی موجود ہے۔ لماذ کرنا من قولہ علیہ السلام. اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنادو۔

چوتھا تسامح

شارح مذکور نے شرح لکھنے سے قبل تمام نسخوں کو مطالعہ میں نہ لایا اور بغیر تحقیق کے ص54 پر عبارت۔ وان کان فی الترکۃ تباینہ فابسط الترکۃ والمسئلۃ کلیتھما۔　　**ترجمہ:** اور اگر ترکہ میں کسر ہو تو ترکہ و مسئلہ دونوں کو پھیلا دو۔ شارح متن میں اس کا ترجمہ کرنے کے بعد وان کان في الترکۃ کسورا کے تحت لکھتے ہیں۔ صحیح نسخوں میں موجود نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر اس کی تشریح اس لئے نہیں کی کہ صحیح نسخوں میں موجود نہیں تو پھر متن میں یہ عبارت غلط نسخوں سے لی گئی۔ مصنف نے یہ عبارت کن نسخوں سے لی اور اگر صحیح نسخوں میں شرط-وان کان في الترکۃ کسور مذکور نہیں تو شرط کی جزاءفالسبط الترکۃ والمسئلۃ کلیتھماوہ کہاں سے عبارت تخریج کر لی گئی صحیح بات اور تحقیقی بات وہی ہے جو شارح سراجی صاحب مشکوۃ الحواشی مفتی یار محمد قادری صاحب نے ذکر کی ہے۔ رقمطراز ہیں۔(40)

اقول هذه العبارة لا توجد فی بعض النسخ ولم يأخذ ها الشارحان الفاضلان السيد السند والمولى الشيخ لكنها موجودة في كثير من النسخ المطبوعة وغير ها .

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ عبارت صرف بعض نسخوں میں موجود نہیں اور اس دو شارح فاضل جلیل علامہ السید السند (شریف جرجانی) اور مولی شیخ نے نہیں لیا لیکن بہت سارے مطبوعہ نسخوں میں اور غیر مطبوعہ (مخطوطات) میں مذکورہ عبارت موجود ہے۔ لہٰذا القليل كالمعدوم کے ضابطہ کے مطابق نیز مثبت کو منفی پر ترجیح دینے نیزفي كثير من النسخ المطبوعہ کی عبارت و قرائن دلالت کرتے ہیں کہ موجودہ اکثر متون میں یہ مذکورہ عبارت موجود ہے۔ لہٰذا اس کو ترجیح دیتے ہوئے شارح کو اس کی تشریح کرنی چاہئے۔

پانچواں تسامح

شارح مذکور نے بعض مقامات پر قیمتی عبارتوں کا ترجمہ ترک کر دیا جس سے صورت مسئلہ میں اور اعداد کی اقسام تباین و توافق، تماثل و تداخل میں فرق پڑ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وارثین کے حصص انتہائی متاثر ہوتے ہیں اور مشہور وعید کے زمرے میں بلاوجہ بندہ داخل ہو سکتا ہے کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بلاوجہ لی تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ بروز قیامت سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں پہنایا جائے گا۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اعداد کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عدد کی چوتھی قسم اعداد متباینہ ہے پھر اس کی مثال میں یہ عبارت ذکر کی ہے۔ کامرا تین دست جدات وعشر بنات وسبعة

اعمام

ترجمہ: جیسے دو بیبیاں اور چھ دادیاں سات بچے زندہ رہنے کی صورت ہے اب شارح مذکور نے عشر نبات کا ترجمہ چھوڑ دیا اب آپ نقشہ سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ تقسیم مال میں کتنا فرق پڑے گا پہلے ہم باقی شارحین کے مطابق عشر نبات کے ترجمہ کو شامل کر کے نقشہ پیش کرتے ہیں بعد ازاں شارح مذکور مفتی محمد ابراہیم کے عشر نبات کو نکال کر نقشہ پیش کرتے ہیں آپ کو اندازہ ہو گا کہ عشر نبات کو نکال دو تو مسئلہ زیروزبر ہو جاتا ہے۔

میت مسئلہ 24 نصف 45،50

زوجین	ست جدات	عشر نبات	سبعۃ اعمام
3	4	16	1
630	840	3360	210

کل رقم 5040 تھی۔ 5040=210+3360+840+630

اب اگر آپ عشر نبات کو نکال دیں تو اب یوں حساب لے گا۔ 1680=210+840+630 اس سے آپ نے نتیجہ ملاحظہ کر لیا کہ سب کچھ خلط ملط ہو کر غلط ہو جاتا ہے۔ لہذا تراجم میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہئے بالخصوص اعداد میں تو انتہائی احتیاط درکار ہے۔

چھٹا تسامح

بعض مقامات پر شارح مذکور نے اپنی مرضی سے تراجم و مطالب میں تاویلات کا صریح عبارت میں خوب درواز کھول دیا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر واؤ کو بمعنی اولے کر ترجمہ کرتے ہیں جو بالکل مقصود مصنف کے اور تصریحات اکابر کے بالکل خلاف ہے۔ عبارت شرح ملاحظہ ہو۔

فصل في قسمة التركات بين الورثة و الغرماء. ترجمہ: وارثوں کے درمیان یا قرض خواہوں کے درمیان اموال متروکہ کو تقسیم کرنے کے متعلق یہ فصل ہے۔ واؤ کا ترجمہ أو (یا) کرنے کے بعد پھر شرح میں فرماتے ہیں تقسیم ترکہ پر دیون مقدم میں لہذا صحیح نسخوں میں و الغرماء کی بجائے او الغرماء موجود ہے۔ لہذا بندہ نے واؤ کا ترجمہ یا کے ساتھ کیا ہے۔ اب ہمارے پاس اکابر کی دو طرح کی تصریحات موجود ہیں جو اس بات کو عیاں کرتی ہیں کہ شارح مذکور نے محض اپنی خواہش سے کام لیا ہے۔

پہلا محاکمہ

صاحب مشکوۃ الحواشی رقمطراز ہیں۔(41)

اقول: اصل العبارة بين الورثة و بين الغرماء فلفظ بين مقدر والمعنى هذا فصل في قسمة التركات بين افراد هذه الطائفة و بين افراد هذه الطائفة فالقسمة . متعددة بتعدد احوالهما لا وحدة على طائفتين معا لتقدم الغرماء في قسمة التركه من الورثة.

ترجمہ: میں (مفتی یار محمد قادری) کہتا ہوں اصل متن کی عبارت یوں تھی۔ بین الورثہ و بین الغرماء لہذا لفظ بین معطوف (الغرماء) میں مقدر ہو گا۔ اب مطلب بنے گا کہ یہ فصل اس گروہ کے اور اس گروہ کے افراد کے درمیان یعنی وارثوں اور قرض خواہوں کے درمیان متروکہ کو تقسیم کرنے کے درمیان ہے لہذا متعدد احوال کے سبب تقسیمات بھی متعدد ہوں گی نہ کہ ایک تقسیم دو گروہ پر اکٹھے کیونکہ قرض خواہ

ترکہ کی تقسیم میں ورثاء پر مقدم ہوتے ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بین معطوف علیہ میں مقدر ہے لہذا معطوف میں بھی بین مقدر ہو گا جس سے دو گروہ بن جائیں گے جبکہ واؤ معنی أو لینے کی صورت میں فقط ایک گروہ بنے گا جبکہ ترکات ترکہ کی جمع ہے ایک گروہ پر تقسیم چه معنی دارد۔

محاکمہ نمبر2

علی وجہ التسلیم شارح مذکور کے مطابق اگر اس عنوان میں واؤ بمعنی أو لیا جائے تو أو کی دو جہتیں ہیں۔ (1) تنویع (اقسام بیان کرنے کیلئے) (2) تشکیک شک پیدا کرنے کیلئے اگر تنویع کیلئے لیں تو اکابر کی مذکورہ تصریحات کے اور مقصود مصنف کے خلاف ہو گا لہذا متعین ہو گا کہ أو تشکیک کیلئے ہو گا۔ علامہ شرف الدین یحی نووی علیہ الرحمہ مسلم کی مشہور حدیث۔(42)

اذا توضأ المسلم او المؤمن کے تحت رقمطراز ہیں۔ قوله المسلم او المؤمن فهو شك من الراوی و کذا قوله مع الماء او مع اخر قطر الماء هو شك ایضاً ۔ **ترجمہ:** آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان المسلم او المؤمن میں راوی کی طرف سے شک ہے اس طرح آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ گناہ جھڑ جائے گا۔ فرمایا یہ بھی راوی کو شک ہے۔ اگر علامہ نووی کی ان عبارتوں کی روشنی میں شارح مذکور کا نتیجہ نکالا جائے تو وہ یہی نکلتا ہے کہ جب واؤ معنی أو ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فصل کے شروع میں عنوان قائم کیا جارہا ہے اور عنوان اور موضوع تو ہوتا ہی اس لئے ہے کہ امتیاز پیدا کرے اگر ایک بندہ کیسے میرا سخن وتقریر کا موضوع سخن سیاسیات ہے یا اقتصادیات تو اسے کہا جائے گا پہلے اپنے شک کو دور کرلو جب شک دور ہو گا تو تعین ہو گا جب تعین ہو گا تو بات بنے گی۔

ساتواں تسامح

بعض مقامات پر شارح مذکور نے ترجمہ میں بھی گرائمر کا لحاظ نہیں کیا۔ مثلاً ص86 پر عبارت ہے۔فابو یوسف یعتبر الاقویٰ اب شارح نے ترجمہ یوں کیا ہے۔ امام ابو یوسف رشتہ میں جو قوی ہو اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی مقصد مصنف کے خلاف ہے کیونکہ اقوی اسم تفضیل مصنف نے استعمال کیا اس کا مطلب ہے سب رشتہ داروں سے قوی ترین کا اعتبار ہو گا جبکہ مصنف کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے اگر اقوی بھی ہو کچھ کی بہ نسبت بہتر ہو تو اس کو بھی معتبر مانا جائے گا۔ حالانکہ اس صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے۔

آٹھواں تسامح

شارح مذکور نے بعض مقامات پر اپنی قومی اردو زبان سے ناواقفیت یا فاضل اردو پنجاب بورڈ سے نہ کرنے کے سبب صحابی رسول مفتی اعظم مدینہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف غلط انتساب کردیا۔ ساتھ کا لفظ مع کے جبکہ سات کا لفظ سبعہ کے ترجمہ کو ظاہر کرتا ہے۔ شرح ملاحظہ کریں ص 111۔ حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک سات مرنے والوں سے ایک دوسرے کا وارث ہو گا یعنی ہر ایک دوسرے کے ذاتی مال کا وارث ہو گا۔ مذکورہ عبارت ایک سات سے آٹھ کی بو آرہی ہے جبکہ یہاں مصنف کی عبارت اذا ماتت جماعة اور جعلوا کانهم ماتوا معا۔ اس ترجمہ کی صراحتا تردید کررہی ہے لہذا یہ بھی ترجمہ وشرح مقصود مصنف کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہو گا۔(تلك عشرة كاملة) یہ ہم نے دس تسامح کی نشاندہی کی ہے تاکہ شارحین اور کتب خانہ والے حضرات قرآن وسنت واقوال صحابہ وفقہاء کو درست شائع کریں تاکہ قارئین راہ مصیب کا تعین کرسکیں۔

اختتام پر یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ شارح نے بعض مقامات پر اپنی قومی اردو زبان سے عدمِ واقفیت —یا معیاری فاضلِ اردو پنجاب بورڈ سے باضابطہ تربیت نہ ہونے— کی وجہ سے ایسی لغوی واصطلاحی لغزشیں کی ہیں جن کے نتیجے میں صحابیِٔ رسول، مفتیٔ اعظم مدینہ حضرت عبد اللہ

بن مسعودؓ کی طرف غلط انتساب واقع ہو گیا۔"ساتھ" اور "سات" کے الفاظ میں معنوی فرق (مع اور سبعہ) کو ملحوظ نہ رکھنا اس کا نمایاں نمونہ ہے، جس کی مثال شرح کے صفحہ 111 پر مذکور ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ قول کہ "ایک ساتھ مرنے والوں میں ہر ایک دوسرے کا وارث ہو گا" کو اس انداز میں نقل کیا گیا ہے کہ گویا "ایک سات" سے "آٹھ" کی تعبیر پیدا ہو رہی ہو، حالانکہ مصنف کی اصل عبارت اِذا ماتت جماعة اور جعلوا کأنھم ماتوا معاً اس مفہوم کی صریح تردید کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ مسئلہ "معاً" یعنی اکٹھے انتقال کرنے کا ہے، نہ کہ "سبعہ" یا عدد سے متعلق۔ لہٰذا یہ ترجمہ و تشریح مصنف کی مراد کے خلاف ہونے کے سبب علمی اعتبار سے ناقابلِ اعتماد قرار پاتی ہے۔(تلک عشرة کاملة)۔۔۔ہم نے یہ دس تسامحات اس لیے واضح کیے ہیں تاکہ شارحین اور ناشرین حضرات قرآن، سنت، اقوالِ صحابہ اور فقہاء کی منقولات کو درست ترین صورت میں شائع کریں اور قارئین کے لیے راہِ صواب کے تعین میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

ماٰخذ و مراجع/References

---

(1) النحل 44:16

(2) بہار، ٹیک چند متھر اداس، (م1766ء) بہار عجم فارسی، لکھنو: مطبوعہ مکتبہ منشی نول کشور، سن اشاعت 1916ء۔ ص18

(3) عمر فاروق، لغات فارسی، اٹک: مطبوعہ دار عمر فاروق، ص، 492

(4) فینڈیک، ایڈورڈ کار نیلیس، (م1908ء) اکتفاء القنوع بماھو مطبوع، ایران: مطبوعہ ادوارد فندیک مکتبہ آیۃ اللہ اعظمی الحنفی، سن اشاعت 1989ء۔ ص32

(5) حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبد اللہ، (م1657ء) کشف الظنون عن اسامی الکتب الفنون، بیروت: مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، سن اشاعت 2008ء۔ ص51

(6) غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (م1111ء) ہدیۃ العارفین، دکن: مطبوعہ مکتبہ مرات الاخبار حیدر آباد، سن اشاعت 1951ء۔ ج2 ص106

(7) ہجویری، حضرت سیدنا علی بن عثمان، (متوفی بین 500/481ھ) کشف المحجوب فارسی، لاہور: مطبوعہ النور یہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، سن اشاعت 2010ء۔ ص2

(8) بغدادی، السید محمود آلوسی، (م1854ء) تفسیر روح المعانی، ملتان: مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، سن اشاعت 2000ء۔ ج6، ص97

(9) کحالہ، عمر رضا، (م1987ء) معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العربیۃ، بیروت: مطبوعہ مکتبہ المثنی، سن اشاعت 1993ء۔ ج11، ص233

(10) قادری، مفتی یار محمد، (م2005ء) مشکوۃ الحواشی، راجن پور: مطبوعہ مکتبہ الفرقان جام پور، سن اشاعت 2004ء۔ ص5

(11) سرکیس، یوسف الیان، معجم المطبوعات العربیہ والمعربۃ، مصر: مطبوعہ مکتبہ سرکیس، سن اشاعت 1928ء۔ ص25

(12) فینڈیک، ایڈورڈ کار نیلیس، (م1908ء) اکتفاء القنوع بماھو مطبوع، ایران: مطبوعہ ادوارد فندیک مکتبہ آیۃ اللہ اعظمی الحنفی، سن اشاعت 1989ء۔ ص17

(13) رازی، امام فخر الدین، (م1210ء) حدائق الانوار فی حقائق الاسرار، ملتان: مطبوعہ دار المعارف، سن اشاعت 2010ء۔ ص71

(14) الحجرات 1:49

(15) الجمعۃ 10:62

(16) الحجرات 13:49

(17) بخاری، محمد بن اسماعیل، (م869ء) صحیح بخاری، کراچی: مطبوعہ اصح المطابع، ج1 ص331

(18) بخاری، محمد بن اسماعیل، (م869ء) صحیح بخاری، کراچی: مطبوعہ اصح المطابع، ج1 ص332

[19] ابن ماجہ، امام محمد بن یزید، (م824ء) ابن ماجہ، کراچی: مطبوعہ نور محمد کارخانہ۔ ص164

[20] النیسابوری، امام مسلم بن حجاج القشیری، (م875ء) صحیح مسلم، کراچی: مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، سن اشاعت 1998ء۔ ص27

[21] ابن ماجہ، امام محمد بن یزید، (م824ء) ابن ماجہ، کراچی: مطبوعہ نور محمد کارخانہ۔ ص156

[22] ابن ماجہ، امام محمد بن یزید، (م824ء) ابن ماجہ، کراچی: مطبوعہ نور محمد کارخانہ۔ ص158

[23] التوبہ 35:9

[24] بخاری، محمد بن اسماعیل، (م869ء) صحیح بخاری، کراچی: مطبوعہ اصح المطابع، ج2ص 1003

[25] بخاری، محمد بن اسماعیل، (م869ء) صحیح بخاری، کراچی: مطبوعہ اصح المطابع، ج2ص 572

[26] المروزی، احمد بن محمد، (م855ء) مسند احمد، بیروت: مطبوعہ مکتبہ اسلامی، سن اشاعت 1998ء۔ ج1، ص442

[27] ابراہیم مصطفی، احمد حسن زیات، محمد عبد القادر، محمد علی النجار، معجم الوسیط، لاہور: مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، ج2، ص891

[28] قادری، محمد عبد الحکیم، (م2012ء) انوار الفرقان فی ترجمہ معانی القرآن، لاہور: مطبوعہ مکتبہ قادریہ، سن اشاعت 2019ء۔ ص257

[29] قادری، محمد عبد الحکیم، (م2012ء) انوار الفرقان فی ترجمہ معانی القرآن، لاہور: مطبوعہ مکتبہ قادریہ، سن اشاعت 2019ء۔ ص830

[30] افریقی، جمال الدین محمد بن مکرم، (م1311ء) لسان العرب، کوئٹہ: مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ کانسی روڈ، ج7ص 1-3800

[31] دکتور، محمد العدنانی، (م1987ء) معجم الاخطا الشائعہ، بیروت: مطبوعہ مکتبہ لبنان ناشرون، سن اشاعت 1984ء۔ ص171

[32] جرجانی، سید شریف، (م1413ء) کتاب التعریفات، بیروت: مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، سن اشاعت 1993ء۔ ص25

[33] النسفی، عمر بن محمد، (م1142ء) طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیہ، بیروت: مطبوعہ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ، سن اشاعت 2004ء۔ ص15

[34] بہاولپوری، مفتی احسن احمد عبد الشکور، آسان سراجی، ص134

[35] جرجانی، میر سید شریف، شرح سراجیہ، کراچی: مطبوعہ پیر محمد کتب خانہ، ص57

[36] حطاروی، محمد عبد الرزاق، السراجی مع اردو حواشی، راولپنڈی، مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا، ص32

[37] گنگوہی، مولوی محمد حنیف، (م2012ء) غایۃ السعایہ، لاہور: مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، سن اشاعت 2008ء ج1، ص132

[38] انصاری، جمال الدین، (م1360ء) مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب، لاہور: مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ 3 شارع شیش محل، سن اشاعت 2015ء۔ ج1، ص230

[39] العادیات 8:100

[40] قادری، مفتی یار محمد، (م2005ء) مشکوۃ الحواشی، راجن پور: مطبوعہ مکتبہ الفرقان جام پور، سن اشاعت 2004ء۔ ص134

[41] قادری، مفتی یار محمد، (م2005ء) مشکوۃ الحواشی، راجن پور: مطبوعہ مکتبہ الفرقان جام پور، سن اشاعت 2004ء۔ ص127

[42] نووی، شرف الدین یحیی نووی، (م1277ء) شرح صحیح مسلم، کراچی: مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، سن اشاعت 2009ء۔ ج1، ص125